آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے
لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز
یعنی
دنیا کے مذاہب پر نظر

بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۳ء
ربیع الاول سنہ ۱۳۳۱ھ

چندہ سالانہ
عام [illegible] طلبا [illegible]

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ فروری سنہ ۱۹۱۳ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

یسوع۔ الوہیّت اور انسانیّت کا ایک نمونہ

(لا الٰہ الا اللہ)

(از خواجہ کمال الدین صاحب۔ بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔ (لنڈن) *

"میرے حضور تیرے لیئے دوسرا خدا نہ ہووے" (خروج ۲/۳) یہ ارشاد خدائے اسرائیل نے موسیٰ کو فرمایا۔ اور جسقدر حکم ربی تاکیدی تھا۔ اس کی تعظیم اس کی تعمیل کی بجائے اس کی خلاف ورزی میں کی گئی۔ خدائے تعالیٰ کی طرف سے بت پرستی کے خلاف بار بار تہدید ہوتی رہی۔ لیکن اسرائیل کے گھرانے نے "بیگانے الٰہوں کا پیچھا کیا اور اُن کی بندگی کی اور سجدہ کیا" وہ "غیور خدا" کے قہر و غضب کی تو برداشت رکھتے تھے۔ لیکن 'تراشی ہوئی مورت' کا چھوڑنا۔ اُنکے لیئے دشوار تھا۔ مگر اسرائیل ہی بنی نوع میں کا بدترین نہ تھا۔ دنیا کے مختلف حصص میں جہاں کہیں انسان تھے۔ اُنہیں اپنی آتما گُنتی اور اپنی روحانی ترقی۔ اپنے ہاتھ کی بنائی مورتوں کے آگے سر جھکانے میں ہی نظر آئی۔ ہندی۔ مصری۔ ایرانی سریانی۔ رومی یونانی۔ ان سبنے نوبت بہ نوبت مختلف علوم و فنون میں ترقی کی۔ لیکن خدائے واحد کی پرستش کی حقیقت جو چار ہزار برس ہوئے کوہ سینا پہ تلقین کی گئی تھی اور جس کی گونج پھر کوہ زیتون پر سنائی دی گئی۔ اُن کے فہم سے بالا ہی رہی۔ مسیحی کلیسیا بھی مدّت تک

* حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے اس مضمون کو پڑھکر یہ تحریر فرمایا "میںنے اسے غور سے پڑھا۔ پسند کیا۔ خواجہ کے لیئے دعا کی والسلام"

ابتدا میں اپنے گلہ کو قدیم عادت بُت پرستی سے بچا نہ سکا۔ رومی یونانی افسانے۔ کلیسیا میں آگھسے۔ اور پُرانے دیوی دیوتاؤں نے رومن کیتھلک طریق تقدیس کے ذریعہ بہ تبدیلی نام و مقام کلیسیا میں مقدس جگہ حاصل کر لی۔ شرک بہر حال ایک نہ ایک رنگ میں انسانی طبائع پر غالب رہا۔ حتّٰی کہ جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مبعوث ہوئے۔ جن کے ہاتھ سے عرب میں شرک نے ہمیشہ کی موت دیکھی۔ ماسوا اللہ کی پرستش ایسی مری کہ پھر نہ اُٹھی۔ اور خدا کے آخری کلام نے توحید کو اس طرح کھول کھول کر بیان کیا کہ آج منکر کانہ فطرت والے بھی توحید کے آگے مجبورًا سر جھکاتے ہیں ہاں اسکی خلاف ورزی میں جو اُن سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اُس کے لئے انہیں ہر وقت ایک نہ ایک توجیہ کی ضرورت رہتی ہے۔

مضمون زیر قلم کے دائرہ سے مَیں نے اِس سوال کو باہر رکھا ہے کہ قدیم زمانہ میں الوہیت مسیح کا کیا مفہوم تھا اور پھر زمانہ کے ساتھ ساتھ کس طرح وہ مفہوم بدلتا گیا۔ یہاں اسی قدر کہدینا کافی ہے کہ موجودہ طبائع نے مسیحی دنیا میں پُرانے مسائل سب ترک کر رکھے ہیں اور آجکل کے دل و دماغ ایک سے زیادہ خدا ماننے سے اب بہت ارفع ہیں۔ بلکہ فی زمانا عیسائیوں کے متعلق یہ کہدینا کہ وہ قدیمی عیسائیوں کی طرح تین خدا مانتے ہیں۔ خود ایک قسم کی ناواقفیت اُس عقیدہ سے ظاہر کرنی ہے جو انہوں نے موجودہ علم الہیات مغربی کے ماتحت قائم کر رکھا ہے وہ تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایک خدا اور صرف ایک ہی خدا کے قائل ہیں ہاں خداوند مسیح اُسی خدا واحد کے مظہر ہیں۔

بیشک یہ امر تو محالات سے ہے کہ محدود احساس کا انسان۔ لا محدود ذات کو سمجھ سکے۔ انسان کی اپنی کوشش کا انتہا تو یہی ہے کہ وہ ایک طاقت کا قائل ہو اور یہ سمجھ لے کہ ایک لا محدود ابدی طاقت ان تمام اشیائے عالم کا ماخذ ہے اور اس امر سے نہ تو سائنس کو اور نہ کسی متشکک طبع کو کبھی انکار ہُوا ہے خود حکیم ہربرٹ سپنسر کا قول ہے کہ "ہم اسباب و علل کی تلاش میں جب تک مسئلہ علت اولیٰ کے قائل نہ ہوں ہم کسی نکتہ پر قائم نہیں ہو سکتے۔ اور فی الحقیقت علت اولیٰ کے ماننے کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ اور ہم کو مجبورًا

اُسے لامحدود اور ابدی ماننا پڑتا ہے۔" لیکن کیا اِس علت اولیٰ کا علم ہونا۔ محالات سے ہے؟ کیا اُس کے تمام کام میں حکمت علم اور ترتیب نہیں؟ اور اگر ہے تو کیا اِس علت اولیٰ کے لیئے یہ امر غیر اغلب ہے کہ وہ اپنے بعض صفات و حالات کا علم اپنی مخلوقات کو دے۔ جو علم وہ مخلوق از خود حاصل نہیں کر سکتی۔ اور کیا ایسا ہونا محال ہے۔ "اسکے برعکس قیاس کرنا" جیسے کہ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے۔ "نہ صرف حکمت سے ہی دُور ہے بلکہ بیہودہ بھی ہے" وہ کہتا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ ٹھنڈے اور تعصب سے پاک دل کے ساتھ اُن تمام تاریخی واقعات کا امتحان کرے اور ایسا ہی عیسائیت کے اُن تمام تاریخی واقعات کا امتحان کرے اور ایسا ہی عیسائیت کے اُن تمام اندرونی اطوار کو دیکھے کہ جن پر عیسائیوں کے اِس عقیدہ کا مدار ہے کہ اُس عظیم علت العلل اور باعث اولیٰ نے۔ یسوع مسیح میں اپنے اخلاق کا اظہار کیا۔ اور اُس کے ذریعہ وہ بنی نوع کے ساتھ ہمکلام ہوا۔ اگر انسان صرف مادہ کا مادی مجموعہ نہیں بلکہ اس میں ذہنی اور اخلاقی قویٰ بھی ہیں اور اگر انسانی اخلاق اُسی خدا کے اخلاق ہیں کہ جس کی وہ تصویر ہے تو کیا یہ دل پسند امر نہیں کہ انسان کی پیروی اور تقلید کے لیئے بطور نمونہ خدا خود انسان میں ظاہر ہو۔ جس کی اتباع میں ہمارے کُل اخلاقی قویٰ مکمل نشو و نما پالیں۔

جب مسیح کی ذاتِ یکتا کو دیکھا جاوے۔ اُس کی معصوم اور گناہ سے پاک زندگی پر نگاہ ڈالی جاوے۔ اُس کا موت کے بعد جی اُٹھنا۔ اُس کے معجزات۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ امور بقول عیسائی صاحبان ایسی صفات الٰہیہ ہیں۔ جو مقدس کنواری کے مبارک فرزند میں ظاہر ہوئے ہیں۔

یہ چند باتیں۔ عیسائی صاحبان آجکل اُلوہیت مسیح کی توجیہ میں بیان کیا کرتے ہیں۔ نہ تو میں ان مذکورہ بالا مقدمات کی صحت پر کچھ کہنے کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ اور نہ اُن صحائف کی اصلیت کے متعلق کوئی جرح کرنی ضروری ہے کہ جو امور بالا کے ماخذ ہیں۔ میں اِن تمام موجبات کو جس طرح پر پیش کیئے گئے ہیں سر دست تسلیم کر لیتا ہوں۔ لیکن کیا اِن مسلمات سے وہ نتائج اخذ ہو سکتے ہیں جو نکالے گئے ہیں۔ یہ

ایک سوال ہے۔ کہ جس کا جواب اثبات میں دینے کے لیئے مجھے تامل ہے اور میں طیار نہیں۔ پیغمبر ناصری کے معجزات یا اُس کی تعلیم یا اُس کی معصوم زندگی۔ یا اُس کے اپنے مُنہ بولے جلالی مقتدرانہ الفاظ۔ جو بناء الوہیت سمجھے گئے ہیں۔ ان باتوں کے متعلق میں بعد میں اپنی رائے ظاہر کروں گا۔ علاوہ ازیں ان وجوہ کی بُنیاد پر مسیح بے عدیل اور یکتا نہیں ہوسکتا۔ دنیا کی تاریخ نے بہتیرے عظیم الشان انسان دیکھ چھوڑے ہیں۔ جو ان وجوہ پر اگر یہ کافی ہوں۔ تو مسیح کے ساتھ ساتھ مُدعی الوہیت ہوسکتے ہیں۔ میں سر دست سب سے پہلی دلیل پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اور دلائل کے مقابل یہ دلیل مجھے زیادہ دل پسند ہے اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ بظاہر دیکھنے کو یہ یقین دلاتی نظر بھی آتی ہے۔

کیا مسیح صفات الٰہیہ کا مظہر ہے؟ اگر اپنے صفات کاملہ اور اپنے جلال کے ظہور کے لیئے خدا کو یہی پسند ہو کہ وہ انسانی پیدائش لے۔ اور اس قدر نیچے بھی اُتر آئے کہ اور انسانوں کی طرح کھائے اور پیئے اور پھر اس اکل و نوش کے نتائج بھی بھگتے تو پھر یہ امر بھی قابل توجیہ ہوسکتا ہے کہ اُس میں معمولی انسانوں کی سی معمولی نقص اور کمزوریاں بھی ہوں اور میں خیال کرتا ہوں کہ مجھے بھی اس قدر تو غیر معقول پسند نہ ہونا چاہیئے کہ میں عورت کے رحم سے نکلے ہوئے' خدا سے اُن صفات بے ہمتا اور اُن فوق الانسان وراءالوراء اوصاف مثلاً۔ علم کل۔ قدرت تامہ۔ صفت حاضر ناظر وغیرہ وغیرہ کی توقع رکھوں۔ جو دنیا کے ہر حصہ میں ہر وقت درست طور پر خدا کے متعلق از قسم لازمات سمجھی گئی ہیں۔ بقول عیسائی صاحبان یہ بات تو ہمیں ہمیشہ ہی نصب العین رکھنی چاہیئے۔ کہ ابن آدم اگر خدا تھا تو انسانی جامہ میں تھا اور اگر خداوند کے جلال اور اُس کی صفات نے ظہور پاتا تھا تو احاطہ انسانیت کے اندر اندر ظہور پاتا تھا۔ اور ساتھ ہی زمان و مکان کے اُن بے رحمانہ اور پراز ظلم قیود کے ماتحت رہکر۔ جن کا شکار انسان جیسا بیچکارا اور بیکس مخلوق ازل سے ہوچکا ہے لہٰذا اُن حالات کے ماتحت یہ امر کوئی حیرت بخش امر نہیں کہ خدا کو

جامہ مظہریت میں بہت سی باتوں کا علم نہ تھا مثلاً خداوند نے اعتراف کیا ہے کہ وہ آخری گھڑی سے بالکل ناواقف ہے۔ اُس گھڑی کا علم خدا کو بحیثیت باپ تو ہے لیکن جب وہ بیٹا بنا۔ تو نہ صرف اُسکو وہ گھڑی معلوم ہی نہ رہی بلکہ اُس آخری وقت کا علم اُس کے امکان سے بھی باہر ہوگیا۔ خدا کی اِن دو فطرتوں کی حقیقت سمجھنے کے لیئے شائد اُس کا واقعہ درخت انجیر بہترین تشریح ہے (مرقس ۱۱/۱۲)۔ خداوند کو بھوک لگی ایک انجیر کا درخت پاس تھا اُسپر پتّے بھی تھے۔ خداوند اُس کے پاس اِس خیال سے گیا کہ شائد اُسے کھانے کو کچھ ملجاوے اور جب وہ درخت کے نزدیک گیا تو اس میں پتّوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خداوند صرف علم کُل سے ہی بے بہرہ نہ تھا بلکہ معمولی مشاہدہ انسانی سے بھی معرّا تھا۔ کیونکہ وہ وقت انجیر کے پھل دینے کا نہ تھا۔ لیکن خداوند تو انسان بھی تھا۔ اور اس لیئے اُس سے وہی صادر ہُوا جو کسی ہم جنس انسان سے بھوک سے تنگ آکر صادر ہُوا کرتا ہے۔ یہ کوئی عجیب بات ہے؟ ہم بھی بعض وقت کسی جذبہ یا خواہش سے مغلوب ہوکر معمولی عقل سے گری ہوئی باتیں کر دیا کرتے ہیں۔ ہُوا کیا اگر خداوند نے درخت جیسی بیجان چیز پر اپنی ناراضگی اسلیئے ظاہر کی کہ وہ اُس کی اشتہا کے دفعیہ کا سامان مہیا نہ کر سکا۔ یہ تو وہی بات ہے جو ہم سے بھی جب ہم اپنی امید یا توقع میں ناکام ہوتے ہیں بیجان چیزوں کے برخلاف صادر ہُوا کرتی ہے۔ لیکن یہ ساری باتیں عیسائی نکتہ خیال سے خداوندی جلال کے ظہور کے ضروری مقدمات تھے۔ جس نے خداوند کے اِس کلام میں ظہور پایا کہ آج سے بعد کوئی انسان تجھ سے پھل نہ کھا سکے گا۔ اور وہ درخت ہمیشہ کے لیئے مُرجھا گیا ہم یہ تو جانتے ہیں کہ عہد جدید میں یسوع کے متعلق بہت سی ایسی باتیں لکھی موجود ہیں جو کل دنیا کے مفہوم اُلوہیت کے قطعاً قطعاً منافی ہیں۔ لیکن الوہیت مسیح کی تو شان ہی اور ہے۔ وہ تو اس لیئے اپنے باپ کے ساتھ ہم جلیس ہے کہ اُسکی

. . . . ذات میں خدا کے بعض اخلاق نے ظہور اور نشو و نما پایا۔ واللہ اُن علو شان فوق الانسان صفات کو جو قادر مطلق خدا کی شان کے شایاں ہیں یسوع کو کوئی بھی تعلق نہیں۔

جب خدا میں شخصیت ہے۔ اور انسان اُس کی تصویر پر ہے۔ تو ربانی تصویر کے اخلاق و اوصاف کا ظہور بھی تو صرف اُسی خدا میں ہو سکتا ہے جو انسان بھی ہو اور خدا بھی ہو۔ لیکن کیا یسوع ان ربانی اخلاق کا مظہر تام تھا ایسا ہی اگر انسان کا اصل جس پر اُس کی ساخت ہے۔ خود خدا ہے۔ تو پھر جو اخلاق اور اوصاف انسان میں پائے جاتے ہیں وہ بالضرور اخلاق آلٰہیہ ہیں۔ اور اگر انسان کے اخلاق۔ بذاتِ خود ایک حقیقت ہیں۔ جو باقاعدہ اصلاح پا کر کُل دنیا کے حکمران ہو جاتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا وہ تمام کے تمام انسانی اخلاق۔ یسوع کے اندر۔ تہذیب اور نمو حقیقی حاصل کر گئے۔ صبر۔ تحمل۔ حلم محبت۔ لاریب۔ انسان کے اعلیٰ اخلاق ہیں اور اپنے اندر ربانی فطرت بھی رکھتے ہیں۔ لیکن کیا یہ نرم بردبارانہ خلق کل کے کل انسانی اخلاق کی لمبی چوڑی فہرست پر حاوی ہیں۔ کیا انسانیت کے لوازمات میں بعض اور عاملانہ گرم اور تیز اخلاق شامل نہیں۔ مثلاً شجاعت۔ عدالت۔ سخاوت۔ امانت۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور کیا یسوع کو وہ مواقع نصیب ہوئے کہ جو اِن اخلاق کے ظہور کے لیئے لازمات سے ہیں۔ کیونکہ جب تک کسی اخلاقی جوہر کے عمل میں لانے کا موقعہ کسی کو میسر نہو۔ کسی میں کسی استعداد کا امکان اُس کی حقیقت کا کوئی ثبوت نہیں۔ خدا نہ کرے میں یسوع کی شان میں یہ کہوں کہ اُس سے وہ باتیں صادر ہوئیں جو صفات بالا کے خلاف ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ کسی میں منفی خلق کا ہونا یعنی اُس کا کسی خاص خلق کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ خصوصاً جب نہ معلم اخلاق بھی ہو۔ کوئی حقیقی خلق نہیں۔ ایسے منفی خُلق کے رکھنے میں کسی کا خرچ یا حرج ہی کیا ہوتا ہے اور علاوہ ازیں یہ اُس شخص کے لیئے کیا سبق ہو سکتا ہے جو عملی نمونہ کا محتاج ہے۔

کسی بزرگ کی زندگی کے اخلاقی پہلو پر محاکمہ کرتے ہوئے لوگوں سے عموماً ایک غلطی ہو جاتی ہے اور یہ غلطی کچھ اس قسم کی خطرناک غلطی ہے کہ نامعلوم طریق پر یہ غلطی اُن لوگوں کے محاکمہ پر بھی اثر ڈال دیتی ہے جو اور طرح اپنے بے تعصبانہ طریق تنقید کے لیئے مشہور معروف ہیں بعض وقت بعض معلم اپنے خطبات اور وعظوں میں اپنے سامعین کو بعض محاسن کی تاکید کرتے ہیں اور سمجھ لیا جاتا ہے کہ اُن معلمین میں وہ محاسن بھی تھے۔ لیکن یہ غلطی ہے اور بڑی فاش غلطی ہے۔ اور یوں تو کسی قوم کی ادبی کتابیں اخلاق کے سبق سے خالی نہیں۔ اِن کتابوں میں اخلاق کے بعض ایسے زرین اصول ہوتے ہیں کہ جو کسی پیغمبر یا خود خدا بجامہ انسان کے شایاں ہو سکتے ہیں۔ ان کتابوں میں جو لکھا ہوتا ہے۔ اگر اِن کے مصنفین کے اخلاق کی شہادت سمجھ لیجاوے تو پھر مجھے ڈر لگتا ہے کہ ہمیں لارڈ بیکن کے اخلاق کے متعلق اپنے موجودہ محاکمہ کو بدلنا پڑے گا۔ کسی معلم اخلاق کو خواہ اُسکے دعاوی کیسے ہی الوہیت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں اُن اخلاق کو رکھنے کی عزت نہیں دینی چاہیئے۔ جو وہ اوروں کو تعلیم و تلقین کرتا ہے جب تک کہ وہ خود اپنی مثال میں اپنے مواعظ کو عمل کا لباس نہ پہنا دے۔ اس صداقت کو شاید مصنف انوار سہیلی کی طرح نہ کسی نے کم سمجھا ہوگا اور نہ عملی رنگ میں دنیا پر ظاہر کیا ہوگا انوار سہیلی فارسی علم ادب میں ایک اخلاق پر مشہور کتاب ہے۔ اِس کتاب میں مصنف نے جو اخلاق ناظرین کتاب کو تعلیم کرنے چاہے ہیں اُنکو پرندوں اور جانوروں کے مُنہ میں ڈال دیا ہے۔ اور بات بھی سچ ہے اگر کوئی معلم اپنی تعلیم کو خود عمل میں نہیں لا سکتا تو پند بر دیوار یا پند بر لب میں کیا فرق ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اخلاق تو عمل کے ذریعہ ہی عمدہ طور پر سکھائے جا سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ضرب المثل کے طور پر مثال کو وعظ پر ترجیح دی گئی ہے۔

اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ ہر ایک انسان کی کوئی استعداد بعض حالات کے پیدا ہونے پر ہی حقیقت ہو سکتی ہے۔ ایک انسان بڑا اخلاق کے سبق دے اور یہ بھی ممکن ہو کہ اُس میں اُن تعلیم دادہ اخلاق کی استعداد بھی ہو لیکن

وہ اُن اخلاق کا مُدعی اسی وقت تک ہو سکتا ہے کہ جب اُسکی زندگی میں کسی خاص خُلق کے مناسب حال خاص حالات پیدا ہو گئے ہوں اور وہ خُلق عملاً اُس سے ظاہر ہوں۔ مثلاً یسوع کا ایک شاندار حلم کے ساتھ اسرائیلی ٹھٹھوں اور مذاقوں کو برداشت کرنا۔ اُس کا ایک حیرت بخش صبر کے ساتھ زندگی کے صعبناک مصائب و ابتلا کو بطور ایک شہید صداقت اُٹھانا۔ یہ واقعات ہیں جن سے یسوع صبر۔ حلم اور تحمل کا قابل رشک مالک سمجھا جا سکتا ہے۔ اور اگر یہ واقعات اُس کی زندگی میں پیدا نہ ہوتے تو وہ اِن نرم اخلاق کا ایک قصّہ گو سمجھا جاتا۔ واقعی یہ ایک بڑی بھاری بدقسمتی ہے اور اسپر جسقدر رنج کیا جاوے تھوڑا ہے کہ بعض حالات نے جن پر افسوس ہے کہ خداوند کو بھی قابو نہ تھا۔ خداوند کے ایام بعثت کو مختصر کر دیا۔ اور دنیا کے ہاتھ سے ایک شاندار موقعہ جاتا رہا ممکن ہے بہت سے اخلاق الٰہیہ جو ممکن ہے کہ یسوع میں تھے۔ عملاً ظہور پا لیتے۔ اور تو اور وہ خاص صفت عفو۔ جس کا اس قدر چرچا۔ عیسائی علم ادب میں کیا جاتا ہے وہ بھی یسوع کے ہاتھ سے کامل نمونہ کو نہ پہنچ سکا۔ بات یہ ہے کہ خُلق عفو کا ظہور بھی اور خُلقوں کی طرح خاص حالات کی موجودگی چاہتا ہے اور جب تک وہ حالات کسی میں موجود نہ ہوں۔ انصاف اجازت نہیں دیتا کہ کسی کو اس خُلق کا مالک ظاہر کیا جاوے۔ اس شریف خلق کے حاصل کرنے کے لیئے تین شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ اوّل تو تمھارے بعض دشمن ہوں جنھوں نے بے رحمی اور ظلم سے تمھارے ساتھ سلوک کیا ہو۔ دوسرا یہ کہ حالات کے بدلنے پر تمھارے دشمن تو مغلوب ہو جاویں اور وہ دشمن تمھارے قابو میں آ جاویں۔ اور سب سے آخر گو عظمت میں سب سے اوّل یہ کہ تمکو اپنے دشمن کو سزا دینے کی طاقت تو حاصل ہو لیکن تمھاری شریف فطرت تمھیں اُن کو معاف کر دینے پر طیار کر دے۔ صفت عفو کی طرح صفت رحم کا ظہور بھی اُسی سے ہو سکتا ہے اور وہی اِس خُلق کا بھی مالک ہے جس کے آگے کوئی رحم کا ملتجی ہو کر آوے۔ اور جب تک کسی کو یہ

مقدرت اور حیثیت حاصل نہو جس کا جی چاہے رحم کے خطبے اور وعظ سنا لے۔ یہ خالی الفاظ ہی ہیں جو بے حقیقت ہیں۔ علاوہ ازیں یہ تو ہمارا روزانہ تجربہ ہے کہ جب کوئی شخص صاحب طاقت ہو اور اُسکا ظلم رسیدہ حالت مظلومیت اور ساتھ ہی بیچارگی میں ظاہر کردے کہ مینے اپنے ظلم رساں کو معاف کیا تو یہ اظہار معافی صاحب طاقت اپنے لیئے مہربانی نہیں بلکہ بے عزتی سمجھا کرتا ہے۔ ایسا عفو تو ہمیشہ حقارت سے دیکھا گیا ہے اور اس کی کبھی بھی قدر نہیں کی گئی۔

اس میں شک نہیں کہ یسوع نے عین صلیب پر اپنے تکلیف دینے والوں کے لیئے عفو کی دعا مانگی اور اس سے یہ بھی ظاہر تو ہوتا ہے کہ اُسوقت اُس کے دل میں یہ کیفیت بھی تھی۔ لیکن جو خیالات اور کلمات یسوع کے مُنہ سے اپنے دشمنوں کے حق میں حالت صلیب میں نکلے وہی خیالات اور اُس قسم کے کلمات دنیا کے دیگر مشاہیر نے بھی ہیچ قسم مصائب کے ماتحت کہے اور ظاہر کیئے۔ اور اس معاملہ میں یسوع میں کوئی خاص یکتائی نہیں۔ بہر حال صفت عفو کا ظہور یسوع کی زندگی میں حقیقت کو نہ پہنچ سکا۔ اس خُلق کے تین شرائط مذکورہ بالا میں صرف پہلی یسوع کی زندگی میں نظر آتی ہے۔ لیکن باقی دو شرائط موجود نہیں۔ یہ صفت اور چھ سو برس تک پردہ کتم میں رہی جب اس خُلق نے اپنے ظہو کا حقیقی موقعہ اور محل نبی عرب صلعم کے زمانہ میں پایا۔ جبکہ خداوند دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ بیت عتیق کے دروازوں پر محمّد کی شکل میں پہنچا۔ قدیمی نوشتے پورے ہوئے اور مکّہ فتح ہوا جسکے فتح کرنے میں ایک قطرہ خون سے بھی زمین مکّہ ملوث نہ ہوئی اور یہ ایک واقعہ ہے جو کل دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہی ہا ہے۔ مکّہ میں دشمنان پیغمبر۔ اُسے اور اُس کے متبعین کو برابر تیرہ برس تک اس قسم کے وسیع سلسلہ مظالم کا زیر مشق کرتے رہے کہ جو اپنی کیفیت اور کمیت میں دوسروں کی زندگی کے صعب ناک ابتلا سے بھی بڑھ گئے۔ آخر کار دشمنان پیغمبرؐ نے نیچا دیکھا۔ اور وہ سب کے سب اُسی کے رحم پر چھوڑے گئے جو مُدّتوں اُنکو

مظالم کا شکار رہا تھا یہ ظالم ہر ایک ایسی سزا کے بھی مستحق تھے جو انسانی وہم یا دماغ تصور میں لا سکتا ہو اور اُنکو اس قسم کی سزا دینا عین معدلت گستری اور نصفت شعاری تھی محمدؐ بھی اگر اپنے دشمنوں کو۔ رامچندر یا کرشن یا یوشع کی طرح سزا دیتا جیسے ان بزرگوں نے اپنے دشمنوں پر غلبہ پاکر دی تو بالکل حق بجانب ہوتا۔ لیکن وہ خُلق عفو جس کو ابن اللہ بھی اپنے وجود میں ظاہر کر سکا (کیونکہ خداوند کا قابو بعض خاص حالات پر نہ رہا جنہوں نے خداوند کے مشن کو جلد ختم کر دیا) اپنا ظہور چاہتا تھا اور اگر محمدؐ صلعم کے ہاتھ سے اُس کا ظہور نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ ہمیشہ کے لیئے وہ پردہ کتمان میں رہتا خدا کی طرف سے مختلف اوقات میں مختلف انبیائؑ آئے اور اُسکے بعض اخلاق اُن انبیا کے ذریعہ ظہور میں آتے رہے۔ محمدؐ۔ **خاتم النبیین** سے تھے اور ضرور تھا کہ وہ تمام اخلاق الٰہیہ جنہوں نے انسان میں نشوونما نہ پایا تھا اور جن کے ظہور کے مناسب اور ضروری مواقع انبیاء سابقہ میں پیدا نہ ہوئے تھے۔ وہ آپ کی زندگی میں اپنا کامل ظہور دیکھیں اُن اخلاق میں ایک خُلق۔ خُلق عفو تھا۔ اس کا خاص موقعہ و محل تھا وہ خاص محل و موقعہ یسوع کی زندگی میں تو پیدا نہ ہوا۔ اور اگر بعض اکابرین کی زندگی میں پیدا ہوا تو انہوں نے اِس موقعہ و محل کو استعمال نہ کیا اور خُلق عفو ظہور کے بغیر رہا۔ ہاں آنحضرت صلعم کی زندگی میں وہ کمیاب موقعہ پیدا ہو گیا۔ اور آپ نے اُسے بوجہ احسن استعمال کیا۔ آپ کے دشمن جو بالکل مغلوب و خوار ہو چکے تھے آپ سے اُس سلوک کے ملتجی ہوئے جو کریم النفس انسان اپنے دشمنوں سے کیا کرتے ہیں یہ اپیل کچھ ایسی برمحل تھی اور اس کا مخاطب بھی وہی تھا جسکے یہ شایاں تھی کہ فوراً ہی منظور ہو گئی۔

یہاں تک تو میں نے اُن نرم اور ملائم اخلاق کے متعلق کچھ کہا ہے جسکے متعلق ادعا کیا جاتا ہے کہ یسوع میں موجود تھے۔ لیکن ان کے علاوہ اور تیز اور مضبوط اخلاق بھی تو ہیں جو الٰہی اخلاق کا رنگ بھی اپنے اندر رکھتے ہیں۔ لیکن جنہوں نے مریم بتول کے بچّہ میں اپنا

ظہور نہ دیکھا۔ یہی وہ گرم اخلاق ہیں کہ جو مہذب حالت میں انسانی سوسائٹی کی راحت کے لیئے ازبس ضروری ہیں مثلاً غضب۔ نفرت۔ اور اِن دو پر میں خلق انتقام بھی ایزاد کرتا ہوں۔ یہ سب کے سب جان اور مال کی حفاظت اور امن کے لیئے ضروری ہیں انکو حیوانی یا ادنیٰ جذبات کے نام سے موسوم کرنا غلطی ہے انکے صحیح استعمال کا بھی محل وموقع ہے ہاں انکو بُرے طور سے جب استعمال کیا جاوے تو پھر یہ ادنیٰ جذبات ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ اخلاق۔ اِس گنگ زبان صحیفۂ قدرت میں نظر نہیں آتے اور میرے نزدیک تو اخلاق الٰہیہ کی بہترین فہرست یہ صحیفۂ قدرت ہے۔ ان مذکورہ بالا اخلاق کا بطور اخلاق الٰہیہ ذکر خود بائیبل میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں اِن جذبات کو خود خدا نے انسان میں پیدا کر رکھا ہے۔ کیا غضب اور نفرت۔ امور حقیقی نہیں۔ کیا اِن دو جذبات کا اثر گہرا۔ انسانی معاملات وکاروبار پر نہیں پڑ رہا۔ اور اگر انسان خدا کی تصویر پر پیدا کیا گیا ہے تو ہم کو یہ قیاس کر لینے کا حق ہے کہ جو اخلاق اور جذبات ہم انسان میں پاتے ہیں یہ خدائے تعالیٰ کے اپنے اخلاق وجذبات ہیں لہٰذا یہ گرم اور تیز جذبات واخلاق بالضرور اخلاق الٰہیہ ہیں اور ایسے نہیں کہ ہم انکو نظر انداز کریں۔ لاریب اِن جذبات کی تعدیل اور تہذیب ضروری ہے اور ہم جو اُن اکابرین کی زندگی کی طرف جن میں کہا جاتا ہے کہ خدا ظاہر ہُوا۔ نگاہ اُٹھاتے ہیں اور اُنہیں اُسوہ بنانا چاہتے ہیں تو صرف اس لیئے کہ ہم دیکھ لیں کہ اُن اکابرین نے ان جذبات کو کس طرح اور کس محل وموقعہ پر استعمال کیا۔ اگر اُن اخلاق کو جن کا ہمیں خطبۂ کوہ زیتون میں سبق دیا گیا ہے اختیار کر لیا جاوے تو کیا وہ اِن تیز اور گرم جذبات کی ہلاکت کے لیئے کافی نہیں حالانکہ یہ وہ جذبات ہیں کہ جنکو میں ربانی جذبات کہتا ہوں اور وہ فی الواقعہ اخلاق الٰہیہ میں سے ہیں خطبہ مذکور پر چلنا گویا جان اور مال کو غیر مامون کرنا ہے۔ مجھے کچھ تامل سا ہے کہ شائد یہ تعلیم خطبہ کچھ ایسی علوشان اپنے اندر رکھتی ہے کہ اسکو عمل میں لانا اب محالات سے ہے اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ قیامت کے دن تک یہ تعلیم ایسی ہی ناقابل عمل

رہیگی۔ لیکن کیا ان حالات کے ماتحت پھر بھی معلم خطبہ مذکور۔ ایک کامل اسوۂ انسان اور مکمل مظہر اخلاق آلٰہیہ ہونے کا مُدعی ہو سکتا ہے اور اگر کوئی اُسے مدعی سمجھتا ہے تو کیا اُس کا یہ دعویٰ۔ دعویٰ جائز ہے۔ مَیں نے تو ارادۃً یہاں اسلیئے اِن دو جذبات مذکورہ بالا کا ذکر کیا ہے کہ خطبۂ پیار کی تعلیم پر چلنے سے اِن جذبات کا تو عدم وجود برابر ہو جاتا ہے اگرچہ اس خطبہ کا معلم خود بھی بعض مواقع پر اِن دو جذبات کو استعمال کرنے سے تُرک نہیں سکا۔ وِالّا اِن دو اخلاق کے علاوہ اور بے تعداد انسانی اور ربانی اخلاق ہیں۔ جنکے متعلق اگر مَیں نہایت ہی نرم اور رعایت کا پہلو اختیار کروں۔ تو یہ کہوں گا کہ یہ اخلاق پیغمبر ناصری کی زندگی میں اندر کے اندر ہی رہے اور اپنا ظہور نہ پا سکے۔ لہٰذا اِن حالات کے ماتحت۔ مَیں۔ الفاظ ذیل کی تائید میں حکیم رینان کا ہم آواز ہونے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ کہ مذہب نے اِس انسان (یسوع) کو انسانیت کا کامل مظہر اور رہنما اگر چنا ہے تو کوئی بُرا انتخاب نہیں کیا۔ حکیم رینان اپنی تمام معقول پسند اور آزاد طبیعت و تعلیم کے ساتھ اپنی ابتدائی خو کردہ عصبیت و میلان کا دراصل مقابلہ نہ کر سکا۔ وِالّا یہ جو اُس نے کہا یہ کسی خوض و فکر کا نتیجہ معلوم نہیں ہوتا۔ اُسے یہ تو سمجھ لینا چاہیئے تھا۔ کہ انسانی سوسائٹی کی ساخت اور اسکے ڈھانچ کو مضبوط کرنے کے لیئے انسانی زندگی کی بہت سی ضروری شاخیں اور بھی ہیں اور یسوع اُن شاخوں میں کسی کا رہنما نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک بادشاہ جو تخت پر ہے ایک جج جو کرسی عدالت پر بیٹھا ہُوا ہے۔ ایک مدبّر سلطنت جو امور ملک میں منہمک ہے۔ ایک جرنیل جو میدان جنگ میں موجود ہے کیا جس طرح انسانی سوسائٹی کے لئے ایک معلم اخلاق کی ضرورت ہے ویسے ہی اِن چار وجودوں کی ضرورت نہیں اور خدا نے بھی آخر کوئی نادانی کا اور غیر ضروری فعل تو نہیں کیا اگر اسرائیل کے خاندان میں۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ یوسفؑ اور یوشعؑ جیسے نبی پیدا کیئے۔ کیونکہ یہ بزرگ فرداً فرداً بادشاہ۔ جج۔ مدبر سلطنت اور فوجی جرنیل تھے۔ لیکن یہ تو آخر انسان تھے۔ اور بقول عیسائیاں اُنسے صرف غلطیاں ہی نہیں بلکہ بعض

. . . . گناہ بھی سرزد ہوئے۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ کو ضرورت ہی تھی کہ انسان کی شکل میں "انسانیت کا کامل مظہر و رہنما" ہو کر آوے تو وہ شائد انسانی سوسائٹی کے لیئے کہیں زیادہ مفید ثابت ہوتا اگر وہ بادشاہ یا مدبر سلطنت ہو کر آتا۔ اور نہیں تو کم از کم یورپ کے عیسائی بادشاہوں اور عیسائی مدبران سلطنت کی ہدایت کے لیئے عملاً بعض قواعد ہی چھوڑ جاتا اور دنیا شاید جلدی ربانی سلطنت کے دن دیکھ لیتی کیونکہ دنیا کو یورپ کی اِس آز و حرص اور اپنے اقتدار کے لیئے دوسروں کو تباہ کر دینے کی عادت سے نجات ہو جاتی بشپ معظم پوپ روما کو اور ایسا ہی شاہ عمانوئیل کو تو شہزادہ سلامتی کی بجائے کسی ایسے خدا کی ضرورت تھی۔ جو کسی جرنیل کے وجود میں آتا۔ تاکہ اِن بے ضرورت مہمات طرابلس میں وہ اُن کی رہنمائی کرتا۔ اُنکو وہ جنگ کے اخلاق سکھلاتا شاید اُس کا اپنا عملی نمونہ اور اسکے حربی وصایا اٹلی کی ظالمانہ بے رحمیوں کے لیئے جو طرابلس میں ظہور پذیر ہوئی ہیں زیادہ تر روک کا باعث ہوتے کیونکہ ہیگ کی کانفرنس کے اصول تو آخر کوئی روک کا موجب نہ ہو سکے۔ ہم کو بالمقابل بتلایا جاتا ہے کہ خداوند آخری ایام میں بادشاہ کے وجود میں ظاہر ہوگا جب مظلوم اپنا انصاف پاویں گے اور تمام ظلم دُور کیئے جاویں گے۔ لیکن اگر اُس کی آمد ثانی دنیا کے خاتمہ کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر "انسانیت کے کامل رہنما و مظہر" کی ضرورت بھی تو اُسوقت ختم ہو رہے گی۔ بے شک یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی سلطنت دنیا کی سلطنت نہیں۔ اور نہ اس نے اپنے نوکروں کو اجازت دی کہ یہودیوں سے لڑیں اور اُن کو اُسے گرفتار نہ کرنے دیں (یوحنا $\frac{18}{36}$) لیکن اگر دنیا کا تمدن اور اُس کی مدنی مصالح کسی نہ کسی قسم کی سلطنت کے متقاضی ہیں اگر انسانوں کے فیمابین ذمہ واریوں اور حقوق کا نفاذ جو بہبودی عامہ کی جڑھ ہے حکومت کی کوئی نہ کوئی شکل چاہتا ہے اور اگر انسان جو نہی ابتدا سے ابتدائی نیچر کی حالت سے نکلتے ہی۔ ذاتی جائداد کے خیال کا احساس

اپنے سینہ میں موجزن پاتا ہے۔ اور ساتھ اسکے اپنی جان اور جائداد کی حفاظت کے لیئے ایک نہ ایک پولٹیکل ناظمانہ وجود کی ضرورت محسوس کرتا ہے خواہ وہ کیسی ہی ابتدائی شکل میں ہو۔ اور اگر انگلستان کے تمدن کے لیئے ضروری سمجھا گیا ہے کہ قدیمی وٹن ایجو موٹ کو موجودہ پارلیمنٹ کی صورت دیجاوے تو پھر ہم جیسے کہ رینان کہتا ہے انسانیت۔ کے کامل رہنما اور مظہر کے لیئے کوہ زیتون کی طرف دیکھیں یا کوہ فاران کی طرف نگاہ کریں جہاں ہمیں پیغمبر کے وجود میں ایک ہی وقت بادشاہ مدبر سلطنت۔ مقنن۔ جج اور فوج کا جرنیل نظر آتا ہے۔

اگر ان واقعات پر جو ان صفحات میں ذکر کیئے گئے ہیں۔ حکیم رینان کی تصنیف پڑھنے والا۔ ٹھنڈے اور تعصب سے معرا دل کے ساتھ غور کرے تو مجھے یقین ہے کہ وہ یہ مان لیگا کہ حکیم موصوف کا زیر بحث ریمارک وسعت نظر پر مبنی نہ تھا۔ یسوع اپنے اقرار کے مطابق انسانی زندگی کے اعلیٰ طبقات کے لیئے نمونہ بنکر ہرگز نہیں آیا۔ لیکن کیا وہ معمولی طبقات زندگی کے رویہ میں ہماری مدد کرسکتا ہے؟ - اگر ہم اپنی زندگی کے اشغال کی تقسیم کریں تو کیا معاملات خانہ داری زندگی کا بھاری اور ضروری حصہ نہیں۔ کیا ان ایام میں ہمارے بہت سے گھر بدمزگی۔ مصیبت۔ پریشانی اور اختلاف کا منظر نہیں۔ اور کیا یہ قابل افسوس حالت اُن شیریں تعلقات[م] کے باعث عقد زوجیت ایک بہشتی گرہ ہوجاتی ہے۔ کیا لفظ "گھر"۔ پیاری سے پیاری۔ اور خوش کن سے خوش کن۔ یادآوریوں کا خزانہ نہیں جو بدقسمتی سے ہمارے ایام میں مفقود ہوتی جاتی ہیں۔ کیا عورت۔ مرد کی معین و مددگار نہیں بنائی گئی۔ کیا مرد اور عورت۔ زن و شوہر بننے کے لیئے پیدا نہیں ہوئے۔ اور کیا انکے باہمی تعلقات کے اچھے یا بُرے ہونے پر ایک گھر بہشت یا دوزخ نہیں بنجاتا۔ اب اگر یہ امور کچھ حقیقت رکھتے ہیں۔ اور یہی بہت حد تک ہماری خوشحالی یا تکلیف کے ذمہ دار ہیں۔ تو کیا ہم کو ایسے رہنما کی ضرورت نہیں جو ہمیں روزانہ معاملات خانہ داری میں رہنمائی کرے۔ واقعی یہ ایک بھاری بدقسمتی ہے کہ یسوع کے عنصر اُلوہیت نے اُسے اس قابل نہ چھوڑا کہ

وہ اس دنیا میں کسی عورت کے ساتھ بطور زن وشوہر ارضی تعلق قائم کرلیتا۔ اور ہم پھر مجبور ہو کر کسی اور سمت ہی نگاہ اُٹھاتے ہیں جہاں ہمیں ان معاملات کے لیئے کوئی "انسانیت کا کامل رہنما" ملے۔ بیشک یسوع کی ایک والدہ تو تھی لیکن پھر ماں بیٹے کے تعلقات میں وہی عنصر اُلوہیت مصیبت ڈالتا ہے۔ اور ایک عیسائی گھر میں ایک بیٹے کو گھر میں کے اخلاق سیکھنے کے لیئے یسوع سے کچھ میسر نہیں آتا۔ مقدس کنواری تو اپنے ربانی بیٹے کو دیکھکر کہ وہ جب اُسے مخاطب کرتا ہے تو 'عورت' کہکر ہی خطاب کرتا ہے شاید اسلیئے اطمینان قلب حاصل کر لیتی ہو گی۔ کہ وہ اپنے میں اور بیٹے میں فرق پاتی ہو گی۔ لیکن ایک معمولی انگلستان کی عورت تو شاید اپنے بیٹے کے لیئے یہ پسند نہ کرے اور یہی چاہے کہ اُس کا بیٹا کسی اور طریق پر اُسے خطاب کیا کرے۔

الغرض جسقدر اِس سوال پر غور کیا جاوے۔ اُسی قدر رینان کا مقولہ زیر بحث مجھے صحیح نظر نہیں آتا۔ جس اخلاق کی تعلیم مسیح نے پہاڑی خطبہ میں کی اُس پر چلنا تو اُس کے پہلے شاگردوں نے بھی نہ چاہا۔ اور اب بھی جہاں تک الفاظ کے اندر اندر اخلاق کی تعلیم ہو سکتی ہے وہ تعلیم لفظاً تو ایک بہترین نمونہ ہیں۔ لیکن دنیا دو ہزار برس اور بوڑھی ہو گئی مگر آجتک اس تعلیم کو عمل میں لانے کا راستہ دنیا کو نظر نہ آیا۔ اس وقت بھی کلیسیا کے سرگرم سے سرگرم ممبر اور دنیا کو عیسائی بنانے کی مہم کے زبردست اراکین اپنے آپ کو ان اخلاق پر چلانے کے ناقابل پاتے ہیں اور صرف اُس وقت کو دیکھ رہے ہیں جب آمد ثانی پر خداوند کی سلطنت قائم ہو جاوے گی۔ جب محبت امن۔ اور آشتی پھیل جاوے گی۔ اور انسان اس تمام مضبوط اور تیز مگر مردانہ اوصاف سے اختہ ہو کر خود ہی اس قابل ہو جاویگا کہ اس تعلیم پر عمل کرے۔ مگر جب تک وہ وقت نہ آئے یہ تعلیم ایک مُردہ قانون ہے اگر اسے عالمگیر قانون بنایا جاوے اور خصوصاً عیسائی ممالک میں۔ شاید ہمالہ کی برفانی چٹانوں میں۔ کوئی قدیمی رشی اِس تعلیم کا قدردان ملجاوے تو مل جاوے۔ لیکن مغرب میں تو ممکن نہیں کہ ایسا کوئی میسر آوے۔

اور دقت یہ ہے کہ یسوع کی اصلی مشن کو لوگوں نے سمجھا ہی نہیں اور نہ کوئی

اُس مدعا پر غور کرتا ہے جس کے لیئے اُسے اخلاق کے یہ سخت اصول سکھانے پڑے۔ میرے نزدیک اگر یسوع کو اُس کی اصلی حیثیت میں دیکھا جاوے۔ اور یہ وہ حیثیت ہے کہ جس کا وہ خود معترف اور مدعی ہے اور اُس کی ذات کو کلیسیائی عقائد کے جھلملاتے ہوئے پولوسی لباسوں سے معرّا کر دیا جاوے تو یسوع صاحب خود اپنی اِس بے معنی متناقض حیثیت سے نجات پا جاتے ہیں۔ اور اُنکی تعلیم کی ناممکن التعمیل حقیقت خود بخود عیاں ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اپنی اصلی حالت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

مسیح ایک نبی تھے جو اسرائیلی گھرانے کی اصلاح کے لیئے آئے تھے۔ اُس گھر کی بکھری ہوئی بھیڑوں کو ایک جا جمع کرنا اُنکا اصلی منصب تھا۔ اسرائیلیوں کی تہذیب نفس۔ اور اُن فریسی علما کے علم کی پردہ دری کرنا اُنکا مقصد تھا۔ جو موسوی شریعت کے سمجھنے اور بیان کرنیوالے ہمہ دان اپنے آپ کو ظاہر کرتے تھے۔ موسوی شریعت ایک قسم کی شریعت انتقام تھی جس کو انہوں نے بُری طرح استعمال کر رکھا تھا۔ اور جناب مسیح اُس شریعت کا مغز بتلانے کے لیئے تشریف لائے تھے۔ آپ نے یہودیوں کو شریعت انتقام کا محل و موقعہ بتلایا اور اِس طرح شریعت کو توڑا نہیں۔ بلکہ پورا کیا۔

پیغمبر مسیح کی حقیقی چہرہ نمائی کے لیئے مجھے شاید زیادہ وضاحت کی ضرورت ہے اور اور اِس وضاحت کے لیئے مجھے اُن حالات کا بھی ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے جو شریعت موسوی کو وجود میں لانے کا باعث ہوئے۔ غلامی کے نیچے (بنی اسرائیل) نہ صرف جسمانی بلکہ اخلاقی نجات کی بھی ضرورت رکھتے تھے۔ پُشتہا پُشت کی غلامی نے اُنکے تمام اخلاق ہلاک کر چھوڑے تھے۔ وہ بالکل کمینہ صفت۔ مایوسی کا پُتلا اور بزدلی کی تصویر تھے۔ بحیرۂ قلزم (یا رود نیل) کے عبور کرنے نے انہیں مصری فرعونوں کی غلامی سے تو آزاد کر دیا۔ لیکن اُن کا یہ فعل اُنہیں غلامانہ عادات کی غلامی سے آزاد نہیں کر سکتا تھا۔ اُن کی اِس نجات کے لیئے قانون انتقام کی ضرورت تھی۔ "آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت" ہی ایک طریق زندگی تھا۔ جو مردہ اور مرجھائے ہوئے جوش کے روح کی نجات کا موجب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ یہ قانون اُنہیں تعلیم کیا گیا۔ اور

مفید ثابت ہوا۔ اس قانون کی طفیل۔ "غلامی کے فرزند" ہی چند نسلوں میں۔ فاتح اور حکمران بن گئے۔ پھر ایک وقت آیا اور اِس قانون کی بد استعمالی شروع ہوگئی۔ وہ لوگ حقیقت شریعت سے الگ ہو کر الفاظ پرست بن گئے۔ انہوں نے مغز چھوڑ کر پوست پر زور دیا۔ وہ قانون انتقام کی لفظی پابندی پر اسقدر مُصر ہوئے کہ ایک مُدّت کے بعد وہ خود انتقام کا مجسمہ بن گئے۔ ایک وقت اُن میں غلامانہ حلم تھا۔ اور اب وہ مجسم غضب ہوگئے۔ جب اُنکی نفرت مشتعل ہوتی۔ تو پھر اُس کا کوئی اندازہ اور پیمانہ نہ رہتا تھا۔ اس طرح وہ اخلاقاً گر گئے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے دنیوی زوال بھی دیکھ لیا۔ اُن پر غیر اقوام حاکم ہوگئیں وہ پھر روئے اور دست بدعا ہوئے اور غیروں کی حکومت سے نجات کے خواستگار ہوئے۔ اُن کو پھر ایک نجات دہندہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہوواہ کی جناب میں وہ اپنے انبیائ کے ذریعہ ملتجی ہوئے اور ایک منجی کا انہیں وعدہ ملا مسیح موعود آگیا۔ اور اُن کی نجات کی کلید بھی لایا۔ لیکن انہوں نے اُس کے مشن کی حقیقت نہ سمجھی اُنکی گذشتہ تاریخ اُن کے لیئے ایک عمدہ سبق تھی۔ لیکن وہ خود غرضی اور نفس پرستی میں کچھ ایسے منہمک تھے کہ وہ گذشتہ حالات سے سبق آموز نہ ہوئے۔ انکو سمجھنا چاہیئے تھا کہ اگر اُنکی نجات اولیٰ شریعت کی اطاعت پر ہی منحصر تھی تو اُن کی نجات ثانی بھی شریعت کی پابندی پر ہی مبنی تھی اگر اُنکو غلامانہ عادت سے نکالنے کے لیئے شریعت انتقام کی ضرورت تھی۔ اور یہ حالت اُنکے فاتح اور حکمران ہونیکے لیئے بطور مقدمہ تھی۔ تو اب وہ چونکہ غضب ونفرت کی غلامی میں تھے تو اس حالت سے نجات دینے کے لیئے اُنہیں شریعت رحم کی ازبس حاجت تھی اور یہ امر بھی ضروری تھا بیش ازیں کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی حیثیت کو پھر حاصل کرلیں۔ اسرائیلی گھرانے کے منجی نے نہ صرف اُنکی نبض شناسی ہی کی بلکہ اُنکی مرض کے لیئے اس نے صحیح دوائی بھی تجویز کی جب اُس نے کہا۔ تم نے تو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن مَیں تم کو کہتا ہوں کہ بدی کا مقابلہ نہ کرو۔ اور جو تمھاری داہنی گال پر طمانچہ مارے۔ اُس کے آگے بائیں گال بھی پھیردو۔ اور اگر کوئی آدمی تمھیں عدالت میں کھینچے۔ اور تمھارا کوٹ لیجاوے تو

تم اپنا چغہ بھی اُس کو دیدو - اور جو تمہیں ایک میل لیجانا چاہے اُسکے ہمراہ دو میل چلے جاؤ یہ تعلیم دینا بے شک ناممکن التعمیل سمجھی - دنیا کا تمدن اور اُس کی عامہ بہبودی خواہ اس تعلیم کے مناسب حال نہ ہو - لیکن یہی نئی انجیل تھی اور اسی میں اُنکی نجات تھی جو نفرت اور غضب کے غلام تھے - یہی شریعت رحم جو کوہ زیتون سے آئی - نئی بشارت اور نیا عہد تھا اور نہ کہ وہ مفروضہ عقائد جو پولوس نے بعد میں تلقین کیئے اس شریعت پر کامل ایمان اور اس پر عمل پراگندہ گھرانے کی نجات کا موجب ہوجاتا - نہ کہ اسکے معلم کا خون جو اس تعلیم کے لیئے شہادت تک پہنچا - لیکن - "اپنے دشمنوں سے نفرت کرو" جنکا شعار ہو - اُنکو جو یہ تعلیم دے - کہ "اپنے دشمنوں سے پیار کرو - اُنکے لیئے برکت ڈھونڈھو - انپر لعنت نہ کرو - اُنسے نیکی کرو جو تم سے نفرت کرتے ہیں" اُسے وہ کب قبول کرتے کہ وہ تخت داؤد کا وارث ہو انکی کھوئی ہوئی عظمت کو واپس لادے گا -

افسوس تو یہ ہے کہ یسوع - دوست دشمن دونوں کی طرف سے بدقسمت رہا - کسی نے بھی اُس عہد کو نہ سمجھا جس کی تجدید اُس نے کی - دونوں ہی سلطنت کے خواہاں رہے - آخر الذکر جب مایوس ہوگئے تو اُس کے جانی دشمن بنگئے اور انہوں نے اُسکا پیچھا اُسی وقت چھوڑا - جب اُسے صلیب پر دیکھا - اول الذکر کسی قدر زیادہ امیدیں رکھتے تھے - وہ آخری دم تک اُس وقت کو دیکھتے رہے جب اُنکے بیٹے خداوند کے ساتھ تخت سلطنت پر بیٹھینگے لیکن نہ دوست نہ دشمن کسی نے اُس کی تعلیم کو نہ سمجھا - یسوع خود شریعت اور عمل شریعت پر مضبوط ایمان رکھتا تھا - وہ یہ یقین رکھتا تھا کہ دنیا اور دنیا کی سلطنت اُنکے پیچھے جایا کرتی ہے جو اعلیٰ اخلاق رکھتے اور جذبات پر قابو پانا جانتے ہیں - وہ یہ بھی جانتا تھا کہ کوئی قوم جو دوسری قوم پر غالب آخر کار آجاتی ہے تو حربی تعلیم اور حربی آلات کے رکھنے سے نہیں بلکہ خاص قسم کے اخلاق پیدا کرنے اور اُنکی تربیت سے یہ امر حاصل ہوجایا کرتا ہے - اور وہ خوب سمجھتا تھا - کہ مطلوبہ اخلاق و کردار خاص شرائع پر ایمان رکھنے اور اسپر عمل کرنے سے پیدا ہوا کرتے ہیں - بالمقابل جن اسرائیلیوں کے ابھارنے کے لیئے وہ آیا تھا اُنکی کمزوریوں اور نقصوں سے وہ آگاہ تھا - اور جو شریعت الہیٰ اغراض کے لیئے اوس پر نازل ہوئی وہ وہ تھی جسکا انکشاف

اُسکے خطبہ کوہ زیتون میں ہوا۔ یہی وہ نئی انجیل تھی۔ اور یہی وہ نیا عہد نامہ تھا۔ جس میں کھوئے ہوئے گھرانے کی نجات تھی۔ اور جس کے قائم کرنے کے لیئے وہ صلیب تک پہنچا۔ نہ کہ اُسکے شہید ہونے پر۔ جیسے کہ بعد میں یقین کیا گیا۔ اس تجدید دادہ شریعت پر اُس قوم کی نجات تھی۔ لیکن قوم نے قبول نہ کیا۔ اور ایسی گری کہ ہمیشہ کے لیئے پھر اُبھر نہ سکی۔

بدقسمتی سے یسوع کی اصلی حیثیت اور اس کی تعلیم کی حقیقت جو ایک ایسے دل کے لیئے جو ابتدائی تعصبات سے معرا ہے۔ تو بالکل صاف ہے۔ لیکن اس کے پیرووں کے لیئے ہمیشہ ایک راز سربستہ رہی ہے۔ یسوع کو اگر آپ بطور ایک نبی یا معلم یا خدا کا مقدس رسول تسلیم کرلیں۔ جو پراگندہ بھیڑوں کو جمع کرنے آیا۔ اور اُس گھرانے کو اُس کی کھوئی ہوئی عظمت واپس دلانے کے لیئے آیا جو مغضوب الٰہی تھا۔ اور اس غرض کے لیئے اُس نے انہیں وہ اخلاقی تعلیم کیئے جو مکان و زمان کی موجودہ ضروریات کے مناسب حال تھے۔ تو یہ سارے کا سارا راز سربستہ کھل جاتا ہے۔ اور ہر ایک کے دلمیں اُس کی وہ عزت و عظمت پیدا ہو جاتی ہے جو دنیا کے ایک عظیم الشان معلم اور صداقت کے شہید کی ہونی چاہیئے۔ لیکن اُسے اگر خدا سمجھکر دیکھا جاوے تو پھر لاینحل مشکلات کا سامنا ہے۔ اُسکی تعلیم کو آپ اُن واقعات کی روشنی میں پڑھیں جو مینے اوپر بیان کیئے ہیں تو وہ جو محال اور ناممکن التعمیل امر نظر آتا ہے۔ وہ ممکن اور ضرورت حقہ اور زمانی مکانی اور مخاطب قوم کی ضروریات کے مناسب حال امر ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا کہ چونکہ یہ تعلیم عامۃ الناس کے لیئے ناممکن التعمیل ہے۔ اور آجکل کے دل و دماغ اِسے قابل توجہ نہیں سمجھتے اس لیئے ضرور ہے کہ اُلوہیت کے عنصر یہ اپنے اندر رکھتی ہوگی۔ ایسا خیال کرلینا تو صرف تدوین و وضع قوانین کے اصول۔ انکی ترقی اور انکی ارتقائی حقیقت سے عدم واقفیت کا اظہار ہے۔

یسوع کے اخلاق کے دو پہلوؤں یعنی ربانی اور انسانی پہلوؤں میں سے انسانی پہلو پر ضروری حدود کے متقاضی۔ مینے بحث کر دی ہے۔ لیکن دوسرے عنوان پر ابھی مجھے بہت کچھ کہنا باقی ہے۔ مسیح کی آمد سے پہلے بھی خدا اور خدا کی صفات کے مفہوم سے دنیا خالی نہ تھی

اور یہ مفہوم دو طریق پر دنیا کو حاصل ہو چکا تھا۔ بذریعہ الہام الٰہی۔ اور بذریعہ صحیفہ قدرت۔ اور
ان ہر دو شہادتوں سے دنیا نے قادر مطلق خدا کو کل طاقتوں اور قدرتوں کا مالک خدا سمجھا ہوا
تھا۔ دنیا کا ایمان تھا کہ خدا مغلوب یا مفتوح نہیں بلکہ فاتح اور غالب ہوا کرتا ہے وہ اپنے
دشمنوں سے ہلاک نہیں ہوتا بلکہ اُنکا ہلاک کرنیوالا ہوتا ہے۔ لیکن مشکل تو یہ پڑی ہے کہ ہمیں کچھ مریم
کے بیٹے' میں نظر آتا ہے اُس سے ہمارے مدتوں سے دلوں میں جاگزین علوم تربت والے اُس
خیال کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ جو ہم نے خدا کی حیثیت کا قائم کر رکھا ہے خدا خود انسان
کی شکل میں آوے۔ اور یہودی اُسے گرفتار کریں اور باندھیں۔ کُل کائنات کا مالک خدا۔ اور یہودیوں
سے چھپتا پھرے اور جب کبھی اپنی جان کے برخلاف یہودی منصوبہ سے واقف ہو۔ خائف اور
ہراساں ہو جاوے۔ حالانکہ یہ وہ جان ہے جسکو وہ بخوشی خود قربان کرنے کے لیئے آیا تھا۔ اُسکو
دھپڑ پڑیں اور گالیاں دیجاویں۔ غلیظ مذاق۔ اور دل خراش ٹھٹھوں کا زیر مشق بنایا جاوے
اور گو اُسے انکار ہی ہو لیکن منشاء کے خلاف موت کا پیالہ پینے پر مجبور کیا جاوے کیا وہ
یہودی منصوبہ سے واقف ہو کر جان چھپاتا نہ تھا۔ ہاں بیشک یسوع میں انسانی جوہر تھا
شاید یہ خوف اسلیئے ہوگا۔ لیکن جب وہ پھر جی اُٹھا تھا۔ اور جس موت کا خطرہ تھا اُسپر وہ غالب
آچکا تھا اور آسمانی زندگی پا چکا تھا۔ تو پھر کیا وجہ رہی تھی کہ وہ جان چھپاتا پھرا اور ڈرتا رہا۔
یہ چند ایک باتیں ہیں جو ایک مشرقی دل و دماغ کو خدا کے متعلق نہیں سمجھ آسکتیں پر تاہم
ان امور کی ایک توجیہ تو ہو سکتی ہے خدا کے اخلاق میں سے ایک خلق صبر بھی ہے۔ اس کا
اظہار ہونا ضروری تھا۔ اور خداوند میں اس خلق صبر نے کامل طور پر ظہور پایا۔ میں اس بات کو
تو مانتا ہوں کہ خدا ضرور صبور ہے۔ ہمیں دنیا میں الٰہی حلم ضرور نظر آتا ہے جب بعض وقت
شرارت غلبہ پاتی نظر آتی ہے۔ گناہ مستولی ہو جاتا ہے۔ اور بدی حکومت کرنے لگ جاتی
ہے۔ لیکن ہمیں ساتھ ہی خدا کا ہاتھ بھی نظر آجاتا ہے جب آخر کار بدی اور شرارت کا ستیاناس
ہو جاتا ہے۔ یہ تو اس آخری غلبہ الٰہیہ کی بنا پر ہے کہ جس سے پہلے گناہ اور بدی کے
مقابل ماسبق خاموشی ایک مدبرانہ صبر نظر آتی ہے اور ربانی روشنی کے ساتھ چمک
اُٹھتی ہے۔ والا اگر آخر پر غلبہ الٰہی نہ ہو تو پھر تو ہر ایک بیچارہ دبے کس مخلوق کو

مصائب سہنے کے وقت خدا کا ہی مظہر ماننا پڑیگا۔ یہی وہ بات ہے جو ہمیں ہر قوم کے مقدس لٹریچر میں نظر آتی ہے۔ یہی وہ بات ہے جو بعض وقت ہمیں بُت پرستوں اور یہاں کے قدیمی مذہب ڈرووڈازم میں بھی نظر آتی ہے۔ اور تو اور یہ بے زبان کائنات بھی اِسی صداقت پر مُہر شہادت لگاتی ہے۔ بعض وقت مضر صحت مواد کثرت کے ساتھ اس لیئے جمع ہوجاتا ہے کہ آخر کار سب پر غالب آنیوالی قوت نامیہ اُس مواد کو قطعاً ہلاک کردے۔ یہ تو مانا کہ یسوع میں خدا نے اپنے صبر اور تحمل کو دکھلایا۔ لیکن اُس کی اوصاف میں جو نہ ہلاک ہونا موجود ہے اسکی قدرت میں جو دوسروں کو ہلاک کرنا موجود ہے کیا یہ صفات بھی یسوع میں موجود ہیں۔ یسوع کے ماسوا بھی دنیا میں بہت سے صداقت کے جاں نثار پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے سچائی کے لیئے مسیح کی طرح مصائب دیکھے اور مصائب کے وقت مسیح کی طرح صبر دکھلایا۔ کیا یہ سب کے سب خدا کا مظہر تھے بہرحال کوئی مابہ الامتیاز انسان بشکل انسان اور خدا بشکل انسان میں ہونا چاہیئے۔ خدا کا جلال تو خدا کے دشمنوں کی ہلاکت میں زیادہ ظاہر ہوسکتا ہے نہ کہ خود ہلاکت کے دیکھنے سے اور وہ ہلاکت بھی بد قماش دشمنوں نے جلدی پیدا کردی۔ اگر یسوع کے دشمن یسوع کے ہاتھ سے ہلاکت تک پہنچ جاتے تو خدا کا جلال بھی نجات پاجاتا۔ اور اگر مان لیا جاوے کہ اُسکے دشمن بعد میں ہلاک ہوئے تو اس سے تو کچھ نہیں ثابت ہوتا۔ یسوع کے علاوہ کونسا شہید صداقت ہوا۔ جس کے دشمن ہلاک نہیں ہوئے۔ کسی صادق کے دشمن کبھی بھی مدتوں تک نہ رہے۔ اور آخر کار اُنکی ذلت ہوئی اور صداقت ہرحالت میں غلبہ پاگئی۔ مغربی فاضل الٰہیات کے مقابل غالباً ہندو حکما کا مفہوم الوہیت شائد بہت بلند وارفع تھا۔ اگر خداوند نے چرنی (کھرلی) میں ایک دفعہ پیدائش لی تو نصف درجن سے زیادہ دفعہ خداوند برہمنوں کی سرزمین میں پیدا ہوا۔ لیکن وہاں اُس کی پیدائش اُن علوم تبت ولے حالات کے ماتحت تھی جو خدا ذوالجلال کی شان کے شایاں تھی۔ یہ تو درست ہے کہ دونوں جگہ غلبۂ معصیت کے باعث خدا نے پیدائش لی۔ لیکن وہ ہندوستان میں تو شریروں اور ناراستبازوں کو ہلاک کرنے اور

اُنکو ہلاک کرکے اپنی سلطنت کو قائم کرنے آیا - اور گلیل کے کوچوں میں وہ اُنکے مقابل ایک عاجز شکار بنکر آیا - فطرۃً اُس کی پہلی حالت زیادہ تر قابل ترجیح - اور اُس کی عزت وجلال کے مناسب شان ہے لیکن اس سے بھی چشم پوشی نہیں ہوسکتی کہ خدا میں نرم اخلاق بھی موجود ہیں میرے نزدیک تو اُسکے دونوں ظہور کیا ہندوستان میں اور کیا بیت اللحم میں - ہر دو جگہ ناقص اور نامکمل ہیں - اُس کا کامل ظہور تو اُس وقت ہوگا جب اُسکے سارے اخلاق جمع ہوجاویں - مثلاً اُس کا ظہور ایسے وقت ہو جب معصیت اور گناہ بدرجہ اتم پہنچا ہو - وہ ایسے وقت مسیح کی طرح نہایت ہی عاجز اور مسکین حالت میں ظاہر ہو - وہ صداقت کی حمایت میں کرشن کی طرح جنگ کرے اور رامچندر کی طرح آخر کار مظفر و منصور ہو - اور اگر خدا نے انسان میں ظہور کرنا ہی ہو تو یہ وہ حالات ہیں جو اُس کے شامل حال ہونے چاہییں - اور اگر یہ امر احاطہ امکان میں آسکتا ہے کہ خدا انسان میں ظاہر ہو تو پھر یہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہے اور نہ کوئی اور معزز رکن انبیاءؑ کی شریف اور مبارک جماعت کا جو ان تمام ضروریات کو اپنے ساتھ پورا کردیتا ہے ؛ (باقی آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

آریہ سماج کی موجودہ حالت کا فوٹو
ایک دل جلے آریہ کی قلم سے

(منقول از بھارت - مطبوعہ ۲۴ - جنوری ۱۹۱۳ء)

ع - کلیجے تھام لو - اب دل جلے فریاد کرتے ہیں ؛

جو نظارہ آجکل آریہ سرکل میں دکھائی دیتا ہے - وہ اس خیال کو یاد دلاتا ہے - کہ یا تو ہم آریہ لوگوں پر ویدک سنسکاروں کا اثر نہیں ہوسکتا یا ویدپوتر کا ہی اثر زائل ہوچکا ہے* - کہ وید وید کہتے ہوئے بھی دھوکے کی ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلا جارہا ہے ...... اب آریہ سماج کا کیا حال ہے - پارٹیاں بنی ہوئی ہیں - دو چار ادھر دو چار اُدھر جمع ہوکر لوگ آریہ سماج کی موت پیدا کررہے ہیں - استیہ کی بندوقیں کسی ہوئی ہیں - ایک دوسرے پر وار شروع کردیئے گئے ہیں ..... واہ رے دھرم اور واہ رے ہمارے چوٹی کے پرچارکو ان باتوں سے خوب ویدوں کا پرچار ہوگا - آریہ سماج مکہ میں قائم ہوگا اوم کا جھنڈا مدینہ میں لہرائیگا

* دوسری بات ہماری رائے میں درست معلوم ہوتی ہے - ایڈیٹر

اور تم دہلی کی شاہی مسجد میں اور روما کے عیسائی چرچ میں اپنا ہون کنڈ بناؤ گے اور سب کے سب ملکر وہاں ہون کرو گے ... میں کہونگا اور زور سے کہونگا کہ اسوقت آریہ سماج کے برخلاف لوگوں کے دلوں میں ایک سخت نفرت کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے۔ لوگ آریہ سماج کو برملا بچوں کا کھیل کہتے ہیں۔ اور ہنسی اڑاتے ہیں۔ اور میں سچ کہتا ہوں کہ لیڈروں کی یہ سرد مہری جسکا اظہار اسوقت ہو رہا ہے۔ ہمارے دلوں سے انکی عزت کو کم کر رہی ہے آریہ سماج کو بڑی سے بڑی مخالفت نے بھی جو نقصان نہیں پہنچایا تھا وہ اب آریہ سماج کے بڑے بڑے لیڈروں کی سرد مہری پہنچا رہی ہے۔ کہا تو یہ جاتا تھا کہ وید بھگوان کی تعلیم متبرّ بنانیوالی ہے قرآن شریف† وغیرہ ان پستکوں کی تعلیم جہادی ہے۔ غضب ہے کہ وید بھگوان کو ماننے والے لوگ اور سچے دل سے ماننے والے جہادی سپرٹ کا اپنے کرتویہ سے اظہار کریں۔ میں بڑے غور کے ساتھ آجکل آریہ سماج اور اسکے جھگڑے کو مطالعہ کر رہا ہوں افسوس کہ آریوں کی عالی حوصلگی اُن کا سادھرم ویدک سچائی ان سب سے عنقا ہو گئی ہے یہ سب کر پا ہمارے مانے ہوئے چوٹی کے بزرگوں کی ہے۔ یہ جنگ اُنکے درمیان ہے۔ جنھوں نے ہمارے سامنے ویدک معیار رکھنا ہے۔ اپنے چلن سے ویدک سچائی کو گرہن کروانا ہے۔ اسحالت میں اگر کوئی غیر آریہ سماج میں آوے تو کیونکر اور کیا دیکھ کر آوے کیا ہماری یہ خانہ جنگی اسکی کشش کا باعث ہو سکتی ہے؟ ہمارے سامنے جو آدرش رکھا جا رہا ہے وہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے؟ نہیں نہیں اور ہرگز نہیں۔ اسلیئے میں آریہ پرشوں سے کہونگا کہ پاکر کے عام دعوت کو اسوقت تک بند رکھو۔ جبتک آپ خود آپس میں نہیں نپٹ لیتے .... وید منتر پڑھ پڑھ کر ہمیں دھوکے میں نہ ڈالو پہلے اپنے آتما کو تو دیکھو۔ اے آریہ خیالات کا دم بھرنیوالو۔ اور ہماری رہبری کے خواہش مندو۔ دیکھو کسقدر میل تمھارے اپنے ہردہ میں موجود ہے۔ کپٹ اور چھل نے تمھاری آنکھیں بند کر دی ہیں اور آپ سچ کہنے سے خوف کھاتے ہیں۔ اے بزرگو اور آریہ نوجوانو کب تک یہ نظارہ دیکھتے رہو گے۔ اس جنگ کا تو خاتمہ مشکل ہے.... کیا آپ اپنے ذاتی تعلقات کی بنا پر آریہ سماج کا خون ہوتا دیکھو گے اور کچھ نہ کہو گے؟ آریہ ویرو اگر سچ مچ آپکا خون اسقدر سرد ہو گیا ہے تو آریہ سماج پر کرپا کرو اسے اسکے حال پر چھوڑ دو اور اپنی شرارتوں سے اسے موت کے کنارہ تک نہ پہنچاؤ .... آریہ پرشو! ذرا سوچو تو سہی کیا ہمارا موجودہ کام قابل تسلّی ہے.... نہیں اور ہرگز نہیں۔ اگر ہم نے $\frac{1}{4}$ شانتی پھیلائی ہے تو $\frac{3}{4}$ اشانتی کے

† ہم یہ دیکھکر نہایت خوش ہوئے کہ بھارت کے آریہ نامہ نگار نے ہماری کتاب کا نام ادب سے لیا ہے۔ ایڈیٹر

بھی ہم ذمہ وار ہیں۔ جمع اور تفریق کے طالب علم یہ جان سکتے ہیں۔ کہ ہمارا پرچار صرف اشانتی ہی اشانتی باقی رہ جاتا ہے۔ اگر ہم آج سے دس پندرہ سال پیچھے جاویں۔ تو وہاں بھی ہم کو یہی نظارہ چھلانگیں مارتا ہوا دکھائی دیگا۔ کہ فلاں پردھان فلاں دھرماتما اور فلاں لیڈر جو ویدک دھرم کے خیالات کا دم بھرتے ہیں۔ آپسمیں الجھے پڑے ہیں۔ شوک ہمیں دھوکا دیا جا رہا ہے کہ ویدک دھرم کو پھیلنے کے لیئے راستہ صاف ہو رہا ہے۔ مگر ذاتی رنجشوں کے سوا ہوا اور کچھ بھی نہیں۔۔۔۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ہمارا دھن وید پرچار میں صرف ہوگا لیکن یہ خرچ کیا جا رہا ہے فضول لڑائی جھگڑوں میں افسوس۔ اعلیٰ کیریکٹر کا دم بھرنیوالے صرف اعلیٰ خیالات ہی خیالات کو دکھلا سکتے ہیں۔ مگر کرتویہ کا انکے پاس نام و نشان بھی نہیں۔ آریہ سماج کا خون ہو رہا ہے۔ اور کسی کے دل میں خیال بھی پیدا نہیں ہوتا اگر آریہ بزرگ اس موجودہ جنگ کو برا سمجھتے تو کئی دن پہلے سے اس کا خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ اور ایسا ہوتا کہ پھر کبھی کوئی پبلک روپیہ کو اس بیدردی کے ساتھ ضائع نہ کر سکتا۔ کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ ہم ایک ایسی بات کے لیئے لڑتے ہیں۔ جسکے لیئے خاموش رہنا ہمارا کرتویہ ہے۔۔۔۔ پراچین آریہ لوگوں میں دھرم کے لیئے پالیسی تھی۔ مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ چالوں سے ایک دوسرے کو زک پہنچانیکی کوشش کیجا رہی ہے۔۔۔۔ اے آریہ سماج کے پرچار کا بیڑا اٹھانیوالو میں آپسے نویدن کرتا ہوں کہ آریہ لوگوں کے ہاتھ میں گندا لٹریچر نہ دو۔ انکے خیالات کو پراگندہ نہ کرو۔ معلے بزرگو اور پرجوش آریہ نوجوانو۔۔۔۔ ثابت کر دو دنیا کے لوگوں پر کہ تم ان لوگوں کے پیچھے چلنے والے نہیں ہو کہ جو دھرم کا نام لے کر ادھرم کرتے ہیں۔ اور دھرم کا ناش کرتے ہیں۔ آریہ نوجوانو۔۔۔ تمھاری آنکھوں کے سامنے آریہ دھرم! ویدک دھرم کا خون کیا جا رہا ہے۔۔۔۔ اگر آپ اپنے کندھوں میں اسقدر طاقت نہیں سمجھتے کہ جو آریہ سماج کے پوتر اور مہان کام کو سہار سکیں تو اسے آہستہ سے زمین پر رکھدو۔ اپنی شیخی میں آکر اسے اس طرح نہ اٹھاؤ کہ ایک دفعہ زمین پر مار کر چکنا چور کر دو ؁

نوٹ: اس بیان میں ایک صاف گو آریہ مندرجہ ذیل امور کی صدق دل سے شہادت دیتا ہے:
(۱) آریہ سماجیوں نے اسوقت تک بجائے فایدہ کے نقصان زیادہ پہنچایا ہے (۲)

آریہ سماج کے لیڈروں کا چلن اُنکے قول کے مطابق نہیں۔ آریہ سماج میں سخت تفرقہ اور پھوٹ ہے پارٹیاں بنی ہوئی ہیں دو چار اُدھر دو چار اِدھر سینو نہیں کپٹ اور چالبازی ہے۔ دلو نمیں میل ہے دھرم کے نام پر ادھرم کرتے ہیں۔ صرف خیالات ہی خیالات لوگوں کو دکھلاسکتے ہیں عمل کا نام ونشان نہیں۔ (۳) آریہ سماج کی خانہ جنگی آج سے نہیں بلکہ عرصہ دراز سے چلی آتی ہے۔ (۴) آریہ سماجیوں میں جہادی سپرٹ موجزن ہے۔ (۵) آریہ سماج کے بعض ممبر اپنی شرارتوں سے آریہ سماج کو موت کے کنارہ تک پہنچا رہے ہیں۔ (۶) لوگ آریہ سماج کو اب نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ گئے ہیں اور اُسکو بازیچہ اطفال سمجھنے لگ گئے ہیں۔ (۷) لیڈروں کی عزت دلوں میں سے نکلتی جاتی ہے۔ (۸) آریہ سماج کو پہلے اپنی اصلاح کرنی چاہیئے اُسکے بعد دوسروں کو شدھ کرنیکی کوشش کرنی چاہیئے۔ (۹) گندا لٹریچر پھیلایا جاتا ہے (۱۰) افسوس ہے کہ وید منتر پڑھ پڑھ کر ہمیں دھوکہ دیا جاتا رہا ؂

ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے۔ اول۔ دیانند اپنی قوم پر کوئی نیک اخلاقی اثر ڈال نہیں سکا۔ دوم۔ ان حالات کے ماتحت آریہ سماج کی موت قریب ہے۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے ؂

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ جنوری ۱۹۱۳ء

صیغہ تعلیم:- اس ماہ کے اخیر تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ہاکی۔ فٹ بال اور رسہ کشی کی ٹیم ڈسٹرکٹ ٹورنیمنٹ پر گورداسپور بھیجی گئی جو خدا کے فضل سے اس ضلع کی جملہ ٹیموں پر کامیابی حاصل کرکے اوّل نمبر پر رہی۔ الحمدللہ ؂ چوہدری فتح محمد صاحب ایم۔ اے مدرسہ میں کام کررہے ہیں۔ عملہ میں پہلے سے ترقی ہے۔ تعداد طلباء ہائی سکول ۳۵۹۔ بورڈران ۶۲ طلباء گرلز سکول ۷۵ شاخ تانڈی ۶۹ اور تعداد سرکاری وظیفہ خواران ۸ ہے۔ گرلز سکول میں بیس روپے ماہوار کی دوسری اُستانی رکھی گئی ہے ؂

اشاعت اسلام:- ریویو انگریزی میں ۱۲ کی ریویو اُردو میں ۲۶ کی کمی ہوئی۔ وجہ یہ ہے کہ تمام خریداران کے نام رسالہ وی پی کیا گیا تھا۔ جن میں سے بعض نے پرچہ واپس کرکے

بند کرا دیا۔

صیغہ مقبرہ بہشتی:- اس ماہ میں مندرجہ ذیل موصی دفن مقبرہ ہوئے۔ مسمات کنیز فاطمہ ہمشیرہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب۔ میاں محمد الدین صاحب ساکن چک علی ضلع گجرات۔ نو نئی وصایا اس ماہ آئیں۔ اور مندرجہ ذیل بڑی رقوم بحساب وصیت پہنچی ہیں۔ مہر گجن صاحب ساکن ڈوگری ضلع سیالکوٹ صہ۔ میاں نجم الدین صاحب قادیان للعہ ۲ر۔ میاں نور دین صاحب کنجاہ ضلع گجرات ہہ عہ ۸ر۔ بابو عبدالرحمن صاحب شملہ لعہ۔ بابا عبداللہ ہرسیانوالہ عہ۔

شفا خانہ:- اس ماہ مریض ۱۴۰۶ آئے۔ انمیں نئے مریض ۵۶۰ تھے مائنر اپریشن پندرہ ہوئے۔

دفتر محاسب:- آمد ماہ جنوری ۱۹۱۳ء ۱۹۶۱۰-۴-۷ اور خرچ ۱۸۹۵۲-۰-۶ ہوا۔ آمد میں پندرہ ہزار کی رقم سرکاری گرانٹ کی ہے۔ جو گورنمنٹ سے عمارت مدرسہ کی امداد کے لیئے موصول ہوئی۔ ورنہ چندوں وغیرہ کی آمد اس ماہ بہت کم ہوئی ہے۔ اور خرچ زیادہ ہے۔ علی الخصوص چندہ عمارت کی آمد بہت کم ہے اور بالمقابل صرف تعمیر مدرسہ کے کام کے لیئے گیارہ ہزار چار سو روپیہ خزانہ سے دیا گیا ہے۔ لنگر خانہ پھر مقروض ہو گیا ہے۔ اور یتامیٰ کی مد میں بھی بہت کم آمد ہوئی ہے اسلیئے احباب کی توجہ اس طرف مبذول کیجاتی ہے کہ وصولی چندہ کی طرف خاص کوشش سے کام لیں چونکہ تعمیر مدرسہ کا کام بڑے زور سے جاری ہے چھتوں پر گرڈر پڑ چکے ہیں۔ اسلیئے چندہ تعمیر کیلیئے جو وعدے کیئے گئے ہیں انکا ایفا فرما دیں۔ اور روپیہ وصول کرکے بھجوائیں تا ساٹھ ہزار کے خرچ کا سرٹیفیکٹ پیش کرکے بقیہ پندرہ ہزار کی رقم ۳۱- مارچ سے پہلے پہلے گورنمنٹ سے لیجا سکے۔

ایام جلسہ میں شیخ نیاز احمد صاحب سوداگر وزیرآباد نے اپنی جیب خاص سے مبلغ پانسو روپیہ چندہ تعمیر میں عطا فرمایا۔ جزاہ اللہ خیراً۔

دفتر سکرٹری:- فرش مسجد نور و مسجد اقصیٰ اور مسجد اقصیٰ میں وضو کرنے کیلیئے حوض تیار ہونے والے ہیں اس صدقہ جاریہ میں حصہ لینے والے احباب سبقت لے جائیں۔

رپورٹ سالانہ و روئداد جلسہ سالانہ علیحدہ علیحدہ چھپنی تجویز ہوئی ہے رپورٹ حسب معمول مفت شائع ہوگی۔ روئداد تھوڑی سی قیمت پر احباب درخواستیں بھیجدیں خصوصاً انجمنوں کے سکرٹری صاحبان مقامی ضروریات کے فنڈ سے حسب ضرورت کاپیاں منگا کر مفت تقسیم کریں۔

نومسلموں وغیرہ کی تعلیم کے لیئے ایک مدرس رکھا گیا ہے۔ اور اپریل ۱۹۱۳ء سے دارالیتامیٰ
کی صنعتی شاخ کھولی جاوے گی۔ جہاں یتامیٰ مساکین کو یا اور جو کوئی چاہے کام سکھایا جاویگا۔

چونکہ چندہ تعمیر کی وصولی کی رفتار بہت دھیمی تھی اور مارچ سے پہلے پہلے پندرہ ہزار روپیہ
گورنمنٹ عالیہ سے لینے کے لیئے ضروری تھا کہ ساٹھ ہزار روپے کا خرچ دکھایا جاوے اس لیئے
ذیل کا سرکلر بخدمت سکرٹری صاحبان بھیجا گیا ہے۔ بغرض اطلاع خاص و عام رسالہ ریویو میں
بھی شائع کیا جاتا ہے کہ مہربانی فرماکر بہت جلد توجہ فرماویں۔

سالانہ جلسہ میں جو ہیئت عمارت مدرسہ کی آپ دیکھ چکے ہیں وہی آپ کو اسکی تکمیل کیطرف
توجہ دلانے کے لیئے کافی ہے۔ عظیم الشان کام ہمیشہ قوموں کے غیر معمولی عزم و ہمت سے ہُوا
کرتے ہیں۔ ہماری چھوٹی سی قوم کے لیئے ایک لاکھ روپے کی عمارت کا ایک سال کے اندر بنا دینا کسقدر
قربانی کو چاہتا ہے۔ اسکا اندازہ اسبات سے ہو سکتا ہے۔ کہ ہماری جماعت میں عملی طور پر جو اپنے
عہد کے مطابق دینی ضرورتوں کو دنیوی ضرورتوں پر مقدم کر کے ہر ضرورت کے وقت چندوں میں
شامل ہوتے ہیں چند ہزار سے زیادہ نہیں ہیں انہی پر ہر قسم کا بوجھ پڑتا ہے۔ گو گنتی میں لاکھوں
کہلاتے ہوں۔ اب اسوقت جسقدر حصہ عمارت کا شروع ہے جسکی تکمیل برسات سے پہلے نہ ہو جانے
میں نہ صرف نقصان کا خطرہ ہے بلکہ ہماری قومی ہمت پر یہ ایک سخت دھبہ ہوگا۔ گورنمنٹ کے تیس ہزار
کی امداد کے علاوہ قریباً ساٹھ ہزار کی رقم بکار ہے۔ جسمیں سے اخیر دسمبر تک صرف للعہ روپیہ وصول ۲۴۱۵۰-۱۳-۶
ہُوا تھا۔ اور جنوری کا مہینہ اس وجہ سے کہ سالانہ جلسہ پر اکثر احباب چندہ دے گئے تھے قریباً قریباً
خالی گذرا ہے اب بقیہ پینتیس ہزار کی رقم برسات سے پہلے کام کرنیکے لیئے مئی تک وصول ہونی
چاہیئے۔ جس تکلیف کے ساتھ گذشتہ ماہ میں ہم نے کام چلایا ہے۔ اسکی اطلاع دیکر میں آپکے
فکر کو بڑھانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ صرف اسقدر التماس ہے کہ آٹھ نو ہزار روپے ماہوار کی
رقم چندہ تعمیر میں آنے کے لیئے کارکن احباب کے لیئے دقت کی اور سب احباب کے لیئے مال کی عظیم الشان
قربانی بکار ہے۔ اپنے دوستوں کو دین کو دنیا پر مقدم کرنیکا عہد یاد دلائیں یہ وقت ہے کہ ہم سب
اپنی دنیوی ضرورتوں کو ایک وقت کے لیئے پیچھے ڈالکر زیادہ نہیں تو اسقدر فکر اس عمارت کی
تکمیل کے لیئے کریں جسقدر اپنا گھر بنانے کے لیئے کسی کو ہوتا ہے جسے وہ شروع کر چکا ہو۔ جو

جوش اسوقت دل میں ہوتا ہے کہ خواہ کچھ ہی ہو جائے اس کام کو پورا کر کے چھوڑونگا۔ اور وہ پورا بھی ہو جاتا ہے وہی جوش جبتک اسوقت قوم کے سب افراد میں پیدا نہ ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ کا مقولہ ہم پر صادق نہ آوے گذشتہ مئی سے لیکر اخیر جنوری تک صرف ۶-۵-۲۴۵۵۲ روپے کا چندہ تعمیر بحساب اوسط ۲۷۲۸ ماہوار رقم ہے اب اس کو تگنا یا چوگنا کرنے کے لیئے جماعت کو اپنی ہمت بھی گذشتہ کے مقابلہ میں اسی نسبت سے بڑھانی چاہیئے ہمارے ہندوستان کے احباب نے بالخصوص ابتک کافی توجہ نہیں کی بلکہ بعض جگہ تو مطلقاً نہیں کی خدا کے لیئے وہ غور کریں کہ اگر ضرورت کے وقت انکے مال کام نہیں آئینگے تو پھر وہ کس غرض کے لیئے سلسلہ میں شامل ہوئے ہیں ایسی شمولیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے حقیقت ہے وہ عملی شمولیت کو چاہتا ہے۔

کانفرنس انجمنہائے احمدیہ منعقدہ ۲۶- دسمبر ۱۹۱۲ء کی کارروائی منظور کردہ مجلس معتمدین در اجلاس ۱ مورخہ ۱۲- جنوری ۱۹۱۳ء ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ جو امور قابل تعمیل ہیں ہر احمدی اور پھر خصوصاً ہر انجمن کے پریذیڈنٹ و سکرٹری صاحبان اپنی انجمنوں میں اسے پیش کر کے عملدرآمد کرائیں اور جو کارروائی ہو اس سے دفتر ہذا میں اطلاع فرماویں نمبر ایک کے متعلق کارروائی کی اشاعت سے قبل ہی تعمیل میں سبقت لے جانے والی انجمن احمدیہ سیالکوٹ ہے۔ جس نے دفتر سکرٹری کو اطلاع دی ہے کہ مدرسہ احمدیہ میں کسی مستحق طالب علم کو ... ماہوار کا باقاعدہ وظیفہ دینا منظور کیا گیا ہے اور یہ وظیفہ ایک طالب علم کے نام جو ضلع سیالکوٹ کا رہنے والا اور مستحق امداد ہے جاری کر کے ان کی رپورٹ مجلس معتمدین میں کیگئی ہے۔ دیگر وظائف کے متعلق بھی یہ امر ملحوظ رکھا جاویگا کہ اس ضلع کے مستحقین کو دیئے جاویں۔

رپورٹ سکرٹری کہ کارروائی کانفرنس انجمنہائے بیرونی منعقدہ ۲۶- دسمبر ۱۹۱۲ء بغرض منظوری و اطلاع پیش کیجاتی ہے (۱) بجٹ ۱۳-۱۹۱۲ء پیش ہو کر فیصلہ ہوا کہ (۲) سب انجمنیں اپنے اپنے مقامی چندوں میں سے ایک رقم مدرسہ احمدیہ کے وظائف کیلیئے دیں بہ تجویز سکرٹری صدر انجمن و بتائید میر حامد شاہ صاحب و اتفاق رائے ممبران کانفرنس۔ (ب) جملہ انجمنہائے احمدیہ کوشش کریں کہ مدرسہ احمدیہ میں اپنے خرچ پر تعلیم پانیوالے لڑکے بھجوائے جاویں۔ بہ تجویز سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

وبتائید منشی فرزند علی صاحب اتفاق رائے ممبران کانفرنس۔ (ج) جملہ انجمنہائے احمدیہ کو دو پیسے
فی روپیہ والی تجویز چندہ پر عملدرآمد کرنے کیلئے ازسرنو توجہ دلائی جائے بہ تجویز منشی فرزند علی صاحب
وبتائید سکرٹری صدر انجمن احمدیہ اتفاق رائے ممبران کانفرنس۔ (۲) تجویز میر حامد شاہ صاحب
کہ بڑی بڑی انجمنوں میں حساب کے باقاعدہ رکھنے کیلئے کچھ الاؤنس دینا منظور کیا جاوے مع
ریزولیوشن مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ کہ جن انجمنوں کی سالانہ آمد چندوں کی تین سو روپے
سے زیادہ ہو وہاں اڑھائی فیصدی مقدار چندہ تک اس غرض کے لئے الاؤنس دینے کی
اجازت دینا مناسب معلوم ہوتا ہے پیش ہوکر کسیقدر اختلاف رائے کے بعد فیصلہ ہوا کہ اگر
کوئی انجمن تحصیل چندہ یا حساب کتاب درست رکھنے کیلئے یہ ضرورت محسوس کرے کہ الاؤنس
یا تنخواہ پر کام لے تو اسے ایسا کرنے کی اجازت دیجانی مناسب ہے۔ بشرطیکہ تین سو روپے سے
کم چندہ سالانہ اس انجمن کا نہ ہو اور اڑھائی فی صدی چندہ وصول شدہ سے زیادہ ایسا الاؤنس
نہ دیا جاوے نیز یہ بھی فیصلہ ہوا کہ ایسا الاؤنس مقامی چندہ سے دیا جاوے۔ پیش ہوکر قرار پایا
کہ اطلاع ہوئی ان ریزولیوشنوں کے مطابق عملدرآمد کیا جاوے ۔ امید ہے کہ جملہ احباب
علی الخصوص سکرٹری صاحبان جو یہاں کانفرنس میں وعدہ فرما گئے تھے۔ اسکے مطابق کارروائی
کرکے جلد اطلاع دینگے ۔

محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

ریویو

خطبات نور حصہ دوم یعنی مجموعہ خطبات از حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ ربہ ایدہ۔ خطبہ
اس سے قبل شائع ہوچکا ہے۔ اب دوسرے حصہ کو شیخ عبدالحمید صاحب اڈیٹر راجپورہ بھٹنڈہ ریلوے
لاہور نے بڑے اہتمام سے باجازت حضرت خلیفۃ المسیح شائع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انکو اس اخلاص کے
واسطے جزائے خیر دے اور انکے کام کو بابرکت کرے۔ یہ خطبات میری کسی تعریف کے محتاج نہیں۔ یہ
واقعی اسم بامسمی ہیں۔ اگر ہر روز ایک خطبہ پڑھ لیا جایا کرے تو خدائے تعالیٰ کے فضل سے
امید ہے کہ پڑھنے والے کو بہت سی بدیوں سے بچنے اور اعمال صالحہ کی توفیق ملے گی۔ قیمت
حصہ اول ۸ ر حجم ۱۱۲ صفحہ۔ قیمت حصہ دوم ۱۰ ر حجم ۲۶۰ صفحہ۔ ہر دو حصوں کی قیمت عہ محمد یامین
تاجر کتب قادیان سے مل سکتی ہے ۔

احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے } یعنی وہ تقریر جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۲۶ دسمبر ۱۹۰۶ء کو فرمائی۔ اس رسالہ کو حضرت خلیفۃ المسیح نے بہت پسند فرمایا ہے اور علم و عمل کے لیئے اس کے پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ فخر الدین و احمد اللہ یار یان قادیان سے بقیمت ار فی کاپی مل سکتا ہے۔

جواب شبہات :- یہ مولوی رشید احمد گنگوہی کے ایک رسالہ کا جواب ہے جسکا نام الخطاب المسیح فی تحقیق المھدی و المسیح اور جو مولوی صاحب موصوف کے خرافات کا مجموعہ ہے۔ یہ جواب حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیف براہین احمدیہ حصہ پنجم میں سے لیکر الگ عام اشاعت کے لیئے محمد یمین تاجر کتب قادیان نے شائع کیا ہے ۴۸ صفحے۔ قیمت ۱؎ ر چھپوائی اور کاغذ بہت عمدہ ہے۔ عہ ر کے خریدار کو ۱۶ نسخے ملیں گے۔

مجمع الاخوان لاہور :- چونکہ عام لوگ ضخیم کتابوں کو کم پڑھتے ہیں اسلیئے لاہور کے احمدی نوجوانوں نے ماہوار ایک ٹریکٹ شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے اور یہ ٹریکٹ سلسلہ احمدیہ کی خصوصیات پر خصوصاً اور عام اسلامی مسائل پر عموماً مشتمل ہوا کرینگے چنانچہ اسوقت تک چار نمبر شائع ہو چکے ہیں (۱) معیار الصادق ۱؎ (۲) معیار الصادق ۲؎ یہ دونوں حضرت مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کے دو زبردست خطبات سے اخذ کیئے گئے ہیں۔ (۳) کیا مسیح زندہ ہیں۔ قرآن شریف سے وفات مسیح کا ثبوت از قاضی ظہور الدین اکمل۔ مریم مر گیا حق کی قسم۔ احادیث اور علمائے سلف کے اقوال سے وفات مسیح کا ثبوت۔ یہ نوجوان تمام احمدیوں کی خدمت میں اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان ٹریکٹوں کو اصل لاگت پر (۸ر فی سینکڑہ) خرید کر مفت شائع کرکے اس کار خیر میں انکی مدد کریں اور ہندوستان میں ان ٹریکٹوں کو شائع کر کے اُن کے افادہ کو وسیع کریں۔ اس قسم کی اشاعت حضرت خلیفۃ المسیح کا عین منشاء اور آپ کی خوشی کا موجب ہے۔ صاحبان ان نوجوانوں کی اپیل پر توجہ فرمادیں اور مستقل خریدار بن کر اپنے شہروں میں مستقل تبلیغ کی بنیاد ڈالیں۔

بقایا جیبغہ جات یکم فروری ۱۹۱۳ء

تعلیم ۰ — ۲ — ۶۵۷۹

اشاعت ۶ — ۶ — ۵۳۶۲

یتامیٰ ۶ — ۹ — ۲۰۶

تعمیر ۵ — ۱۳ — ۷۹۹۰

مساکین ۵ — ۱۰ — ۱۴۳۸

زکوٰۃ ۹ — ۶ — ۲۹۴۶

مقبرہ ۷ — ۱۲ — ۲۵۵

بورڈران احمدیہ ۹ — ۰ — ۱۱۰

امانت ۹ — ۱۲ — ۳۹۷۵

مستقل فنڈ ۶ — ۲ — ۳۹۱۲

میزان ۲ — ۱۳ — ۳۲۷۷۷

منہاکردہ فاضل ۴ — ۱۰ — ۳۸۰۳

باقی ۱۰ — ۲ — ۲۸۹۷۴

منہاکردہ پیشگی ۰ — ۶ — ۲۰۶۷۸

باقی نزد امین ۱۰ — ۱۲ — ۸۲۹۵

تفصیل فاضل

متفرقات ۱۰ — ۱۰ — ۱۶۰۹

مدرسہ احمدیہ ۱۰ — ۴ — ۶۳۶

بیت المال ۸ — ۱۱ — ۱۱۹۵

بورڈران ہائی ۰ — ۱۵ — ۳۶۱

---

۴ — ۱۰ — ۳۸۰۳

تفصیل پیشگی

تعمیر ۰ — ۶ — ۱۵۹۶۱

اشاعت ۰ — ۰ — ۱۲۰۰

بیت المال ۰ — ۰ — ۸۰۰

مقبرہ ۰ — ۰ — ۲۶۵

تعلیم ۰ — — ۱۲۸۶

مدرسہ احمدیہ ۰ — ۰ — ۳۰۰

متفرقات ۰ — ۰ — ۸۶۶

---

۰ — ۶ — ۲۰۶۷۸

ناظر
محمد اشرف

محاسب
خلیفہ رشید الدین

[illegible]

اطلاع :- خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرما دیں ؛